نظامِ زکوٰۃ اور موجودہ معاشی مسائل کا حل

معاشی غلامی کا حل

محمد یوسف گورایہ

دَورِ جدید میں مصارفِ زکوٰۃ کا دوسرا بڑا مصرف" وفی الرقاب" غلامی سے آزادی دلانا ہے۔ مفسرین نے اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے معاشی حالات کے پیش نظر" وفی الرقاب" (غلامی سے آزادی دلانے) کی تفسیر میں بڑی وسعت پیدا کر دی ہے۔ بڑے بڑے محقق مفسرین کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ" وفی الرقاب" سے مراد :-

۱۔ غلاموں کو ان کے آقاؤں سے خرید کر آزاد کروانا۔

۲۔ جن مکاتَب غلاموں نے اپنی آزادی کی قیمت ادا کرنے کا سودا اپنے آقاؤں سے کر رکھا ہو، ان کی ادائیگی میں مدد کرنا۔

۳۔ ان مسلمان قیدیوں کو رہا کروانا جو دشمن کے قبضے میں ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہا و مفسرین کے نزدیک" وفی الرقاب" سے مراد غلام، مکاتب اور قیدی کی آزادی اور رہائی ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں" فی الرقاب" ایک عام اور ہمہ گیر اصول ہے جس سے ہر زمانے اور ہر طرح کی غلامی مراد ہے۔ اس خیال کی وضاحت آگے چل کر کی جائے گی۔ اس وقت یہ کہنا مقصود ہے کہ مفسرین نے جہاں تک ان کے معاشرتی و معاشی حالات اجازت دیتے تھے، ان کے مطابق" وفی الرقاب" کو معنی پہنائے ہیں۔

قرونِ اولیٰ کے معاشی حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی تعلیمات کے تحت جو انقلاب لائے تھے، معاشی نقطۂ نظر سے اس کا اثر یہ ہوا کہ جزیرہ عرب، شام، عراق، ایران، مصر، شمالی افریقہ اور اندلس جیسے ممالک کے کروڑہا انسانوں کی کثیر آبادی، ان

ممالک کے مٹھی بھر سرمایہ داروں، تاجروں، جاگیرداروں اور شاہی درباریوں کی معاشی آقائیت سے آزاد ہو کر باعزت اور خود مختار انسانوں کی صف میں شامل ہو گئی تھی۔ مورخین، فقہاء اور مفسرین کی شہادت کے مطابق ہمہ گیر معاشی غلامی گھٹتے گھٹتے اب صرف ایک نہایت محدود طبقے۔ غلام، مکاتب اور قیدی میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ اور یہ تعداد قبل از اسلام سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور شاہی درباریوں کی تعداد کے تقریباً لگ بھگ تھی لیکن چونکہ اسلام کے نزدیک انسان جب تک ہر قسم کی غلامی۔ معاشی، سیاسی، مذہبی اور فکری وغیرہ سے آزاد ہو کر، صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی غلامی میں نہیں آجاتا، نہ اس کی انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور نہ وہ پورے طور پر مسلمان ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے اس سسکتی اور دم توڑتی ہوئی معاشی غلامی پر بھی کاری ضرب لگائی اور معاشی غلامی کے اس آخری گوشے پر بھرپور حملہ کیا تاکہ دنیا سے معاشی غلامی کا پوری طرح استیصال ہو سکے اور سب انسان آزاد ہوں اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر انسانیت کی خدمت انجام دے سکیں۔ اس پس منظر میں "وفی الرقاب" (غلامی سے آزادی دلانے) کی فرضیت کے حِکَم و اسرار الٰہی کا فلسفہ واضح ہوتا ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاشی غلامی اتنی مکروہ اور اتنی ناپسندیدہ بات ہے کہ وہ اسے شرک قرار دیتا ہے۔ جیسے عقائد میں شرک ناقابل معافی جرم ہے ویسے ہی انسانوں کو معاشی طور پر غلام بنانے والے ناقابل معافی مجرم ہیں۔ اور ایسے مجرمین کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد ہوا کہ وہ معاشی غلامی دُور ہونے تک زکوٰۃ کا بجٹ مسلسل اسی پر خرچ کرتی رہے۔

عرب و عجم پر مسلّط وسیع و عالمگیر معاشی غلامی (وفی الرقاب) کو گھیر اور سمیٹ کر، غلام، مکاتب اور قیدی تک محدود کر دینے والی زبردست قوت کا مختصر بیان ضروری ہے۔ قرآن حکیم نے "وفی الرقاب" ہر قسم کی غلامی کے خلاف زبردست جہاد کی تلقین کی ہے اور تمام مسلمانوں کو بالعموم اور مسلمان حکومت کو بالخصوص اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ ہر قسم کی غلامی کا انسداد کریں اور جہاں کہیں اور جس زمانے میں جس قسم کی غلامی موجود ہو، اس کا مکمل قلع قمع کریں۔ اس اعتبار سے "وفی الرقاب" ایک محدود قسم کی غلامی کا نام نہیں بلکہ یہ قیامت تک ہر اُس غلامی پر محیط ہے، جس میں اللہ کے آزاد بندوں کی گردنیں پھنسی ہوئی ہوں۔ اور مختلف قسم کے طوق ان کی عقلی، فکری، ذہنی اور جسمانی قوتوں کو مفلوج کر رہے ہوں۔ پھر چونکہ غلامی عامۃ الناس کی گردنیں بھی جکڑ سکتی ہے اور حکومتوں اور قوموں کو بھی اپنے گھیرے میں لے

سکتی ہے، اس لئے "وفی الرقاب" سے مراد محض ایک ملک و معاشرے کے عوام ہی کو آزادی دلانا مقصود نہیں بلکہ اگر کوئی مسلمان قوم یا ملک یا سب مسلمان حکومتیں اور پوری امتِ مسلمہ اس میں گرفتار ہو تو ان سب کو آزادی دلوانا، اور ان کی مختلف قسم کی غلامی کے پھندوں کو کاٹنا اور ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے معاشی، سیاسی، فکری و مذہبی طوقوں سے نجات دلانا "وفی الرقاب" میں شامل ہے، چونکہ قرآن حکیم کے بتائے ہوئے نظام زکوٰۃ کا یہ مصرف انتہائی وسیع اور انتہائی جامع مصرف ہے۔ اس لئے اس پر عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہے اور اس کے مفید و کار آمد نتائج کا حصول صرف اسی حالت میں ہو سکتا ہے جبکہ "وفی الرقاب" ہر قسم کی غلامی کے پیچ در پیچ طوق کاٹنے کے لئے اُس قوت متحرکہ اور اس انقلاب آفریں و انقلاب انگیز زبردست قوت کو پوری طرح سمجھ لیا جائے جو اس کی کامیابی کی ضامن اور اس کے مفید و کار آمد نتائج کی ذمہ دار ہے، اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ "وفی الرقاب" کے تحت آنے والے انقلاب کا صحیح پس منظر سمجھنے کے لئے اس قوت قاہرہ کا مختصر بیان کریں، جس نے ہمہ گیر اور عالمگیر غلامی کو نیست و نابود کر کے کروڑہا غلاموں کو آزادی دلائی۔ اس کا بیان ہم اس لئے بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ چونکہ جس موضوع پر ہم اس وقت لکھ رہے ہیں، وہ معاشی مسئلہ ہے اور ہمارے خیال میں اسلام معاشی مسئلے کا جو حل بتاتا ہے وہ مادی معاشی حل سے مختلف ہے۔ اس لئے جب تک اس قوت کا بیان نہ کیا جائے اس وقت تک اسلامی معاشی مسئلے کے حل کو مادی معاشی مسئلے کے حل سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس انقلاب کا صحیح پس منظر معلوم ہو سکتا ہے جس نے چند سال کے اندر اتنی بڑی تبدیلی پیدا کر دی تھی جس کا اگر صحیح ادراک حاصل ہو جائے تو موجودہ معاشی انقلاب اپنے تمام جدید وسائل، سائنسی اور تکنیکی سہولتوں کے باوجود اس انقلاب کے سامنے ماند پڑ جائیں — اگرچہ بادی النظر میں قارئین کو یہ بیان شائد موضوع سے ہٹا ہوا معلوم ہو لیکن ہمارے خیال میں اس کا ذکر ناگزیر ہے۔

تاریخ عالم پر نگاہ رکھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ عدل و انصاف پر مبنی جب کوئی نظام ٹوٹتا ہے تو سب سے پہلے معاشی بے انصافی اور معاشی استحصال کے ذریعے "اہل ثروت" کا طبقہ معرضِ وجود میں آتا ہے۔ عربوں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ سابق انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات پر مبنی معاشرے میں جب فساد پیدا ہوا تو ان میں معاشی بے انصافی اور لوٹ کھسوٹ کے ذریعے "اہل ثروت" کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا، لیکن چونکہ سابقہ انبیاء کی تعلیمات کا احترام لوگوں کے اندر کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا اس لئے ایک دوسرے طبقے نے ان تعلیمات کو اپنا پیشہ بنا لیا اور اس طرح سابقہ انبیاء کی تعلیمات

جو سب کا مشترک ورثہ تھیں، اس مخصوص طبقے کی اجارہ داری میں آگئیں، اور "اہل مذہب" کا طبقہ معرض وجود میں آگیا، لیکن چونکہ اس "اہل مذہب" کا اپنا کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا اس لئے معاشی طور پر یہ لوگ "اہل ثروت" کے دست نگر ہو گئے، ان دو طبقوں کی موجودگی میں "اہل حکومت" کا جو طبقہ بھی معرض وجود میں آتا وہ یقیناً ان دو بازوؤں "اہلِ ثروت" اور "اہل مذہب" کے زور پر ہی قائم رہ سکتا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، چونکہ "اہل حکومت" کا یہ طبقہ جمہور عوام الناس کی مرضی اور ان کے منشاء اور ارادے کے خلاف "دولت و فتویٰ" کے زور پر قائم ہوا تھا، اس لئے "اہلِ حکومت" کے لئے لازمی تھا کہ وہ جمہور عامۃ الناس کو اہل ثروت اور اہل مذہب کا تابع بنائیں۔ اس طرح "اہل ثروت"، "اہل مذہب" اور "اہل حکومت" نے باہم اشتراک سے جمہور عامۃ الناس پر ظلم و استبداد اور معاشی بے انصافی کو مسلط کر رکھا تھا اور ایک اقلیتی طبقے نے اللہ کے بے شمار بندوں کو اپنی معاشی غلامی (فی الرقاب) میں لے رکھا تھا۔ اس پس منظر میں ہم اس قوتِ قاہرہ کا بیان کریں گے جس نے ظلم و بے انصافی کی جگہ عدل و انصاف اور معاشی استحصال کی جگہ مؤدت و محبت اور انسانی مساوات قائم کر دی۔

اس قوت متحرکہ اور اس انقلاب انگیز قوت سے ہماری مراد قرآن حکیم کی تعلیمات پر مبنی نظریۂ توحید اور انسانی مساوات ہے۔ تاریخ عالم میں ہمہ گیر اور عالمگیر غلامی اور خصوصاً معاشی غلامی "فی الرقاب" کے خلاف اسلام سے پہلے کوئی تحریک اتنی شدت و قوت کے ساتھ نہیں اٹھی تھی۔ قرآنی تعلیمات پر مبنی، یہ اسلام کا وہ زبردست انقلاب تھا، جو ہر قسم کی غلامی کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا، قبل از اسلام ایک عالمگیر فاسد معاشی نظام کی طرح مکہ، مدینہ اور طائف۔ حجاز کی تین بڑی آبادیوں پر اہل ثروت و سرمایہ دار، اہل مذہب اور اہل حکومت۔ "اقانیم ثلاثہ یا تثلیث" کے باہمی اشتراک سے اقلیتی طبقے نے اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر، جمہور، عوام الناس کی کثیر آبادی پر ظلم و استبداد اور معاشی استحصال کے ذریعے قبضہ جما رکھا تھا۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس تثلیث میں "باپ" کا درجہ "اہل ثروت" سرمایہ دار کو حاصل تھا، "اہل مذہب" اور "اہل حکومت" "ماں" اور "بیٹے" کی حیثیت سے اس "تثلیث" میں شریک تھے، مزید غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ اس تثلیث کا وجود اسی وقت ممکن ہو سکتا تھا، جبکہ جمہور عامۃ الناس کو ان کے سیاسی، معاشی اور دوسرے معاملات میں حق خود ارادی سے محروم کر دیا گیا تھا۔ چونکہ اس تثلیث کے اجزائے ترکیبی میں "باپ" کا درجہ "اہل ثروت" کو حاصل تھا۔ اس لئے "ماں" اور "بیٹا"۔ "اہل مذہب" اور "اہل حکومت"۔ فرمانبرداری کے تقاضے کے تحت "باپ" کے احکام بجا لانے اور اس کے اعمال و افعال کے لئے جواز پیدا کرنے کا کام بحسن و خوبی انجام دیتے تھے۔

انسانیت پر ظلم و جور جب اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور انسانیت کی کثیر آبادی کی گردنوں میں کئی قسم کی غلامی کے طوق پڑ گئے، تو رب العالمین نے مظلوم انسانیت کو اس تثلیث کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے رحمۃ للعالمینؐ کو مبعوث فرمایا۔ قرآن حکیم کے اوراق اور تاریخِ اسلام اس بات پر شاھد ہیں کہ نبی اکرم رحمۃ للعالمینؐ کی دعوت و تبلیغ کا خطرہ سب سے پہلے "اہلِ ثروت و سرمایہ دار" کو لاحق ہوا، اہل ثروت چونکہ عوام الناس کے معاشی استحصال کے ذریعے معرضِ وجود میں آئے تھے، اس لئے قرآنی تعلیمات، اور اسوۂ رسولِ مقبول صلعم اس معاشی بے انصافی اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف ایک انقلاب تھے، پھر "اہلِ ثروت" کی تباہی سے، ان کے حواریوں، "اہلِ مذہب" اور "اہلِ حکومت" کی ہلاکت بھی یقینی تھی، اس لئے وہ بھی اس معاشی نظام کے تحفظ و استحکام اور نظم و بقاء کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، چنانچہ اسلامی انقلاب کو روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے "اہلِ ثروت" جو عملاً ہمیشہ سے بزدل تھے، پسِ پردہ "اہلِ مذہب" اور "اہلِ حکومت" کی مالی مدد کرنے لگے، اور یہ دونوں طبقے "اہلِ ثروت" کے اشارے پر انقلابِ محمدی کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ "اہلِ مذہب"، اپنے پیشے کی رو سے، اس نظام کے مبنی بر حق و انصاف ہونے کے فتوے دینے لگے، اور اپنی تمام قوتیں اس بات کے ثبوت میں صرف کرنے لگے کہ معاشی بے انصافی اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ کا یہ نظام ان کے "باپ دادا" سے ایسے ہی چلا آ رہا ہے اور "باپ دادا" کی طرف سے آنے والا ہر نظام ہمیشہ برحق ہوتا ہے: "واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیھا اٰباءنا واللہ امرنا بھا"۔ (۷:۲۸) اپنے فواحش و فساد پر مبنی کارناموں کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ان کارناموں کا جواز یہ ہے کہ ہمارے آباء و اجداد ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں، اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب آپؐ انھیں یہ بتا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو ظلم و فساد و منکرات و فواحش کا ہرگز حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ پر اس بات کا بہتان لگاتے ہو جس کا نہ تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے اور نہ تم اس بارے میں کوئی علم رکھتے ہو (قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء اتقولون علی اللہ مالا تعلمون ۷:۲۸) لہٰذا جو کوئی "باپ دادا" کے قائم کردہ نظام کے خلاف آواز اٹھائے خواہ رب العالمین کی طرف سے رحمۃ للعالمین ہی کیوں نہ ہو، وہ لائق گردن زدنی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ "اہلِ مذہب" نے "اہلِ ثروت" کی شہ پر "اہلِ حکومت" کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس نئے داعی کے خلاف اپنی تمام قوتیں لگا دیں اور رائج الوقت معاشی نظام کے خلاف آواز اٹھانے والے اور اس کے ساتھیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں، "اہلِ حکومت"، جن کا اپنا وجود عوام الناس اور جمہور کی تائید و حمایت کے بجائے، خود "اہلِ ثروت" اور "اہلِ مذہب" کے اقلیتی اور محدود طبقے کی حمایت پر قائم

تھا" دولت وفتویٰ" کی آہنی لاٹھی کے ساتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعِ نبوت کو بجھانے کے لئے زبردست قوت اور انتہائی شرمناک ہتھکنڈوں کے ساتھ میدان میں نکل آئے (یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ۹ : ۳۲) " چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں "۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تثلیث کا مقابلہ دو عالمگیر اُصولوں کی تبلیغ سے شروع کیا۔

۱ - اللہ تعالیٰ کی توحید

۲ - انسانی مساوات

خالق کائنات کے بارے میں جتنے باطل عقائد مروّج تھے قرآن حکیم نے ان سب کی دھجیاں اُڑا دیں، اور دلائل و براہین سے ثابت کیا، کہ اس کائنات کا خالق صرف ایک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے، ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو، عالم الغیب والشھادۃ ط ھو الرحمٰن الرحیم ط ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو ج الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر ط سبحٰن اللہ عما یشرکون ہ ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم ہ (۵۹ - ۲۲ تا ۲۴)

" وہی اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں سب چھپی اور کھلی باتوں کا جاننے والا وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ پاک ذات سلامتی دینے والا امن دینے والا نگہبان، زبردست، خرابی کا درست کرنے والا بڑی عظمت والا ہے۔ اللہ پاک ہے اس سے جو اس کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا ٹھیک ٹھیک بنانے والا، صورت دینے والا، اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے "

اثباتِ توحید کے ساتھ ساتھ ردِّ شرک بھی کیا۔ مشرکین کی اس کج فہمی اور باطل عقیدے ھٰؤلاء شفعاؤنا عند اللہ (۱۰ - ۱۸) (اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں)۔ اجعل الاٰلھۃ الٰھا واحداً ان ھٰذا لشیء عجاب ہ (۳۸ - ۵) (یہ تو عجیب بات ہے کہ اس نے ان سب خداؤں کا ایک خدا بنا دیا) کو عقلی و علمی دلائل سے کاٹا اور ثابت کیا کہ اللہ، خالقِ کائنات کی توحید میں کوئی دوسری چیز شریک نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح رسول اللہ صلعم نے قرآن حکیم کی تعلیمات پر مبنی انسانی مساوات پر زور دیا اور باطل اور فاسد معاشی نظام کی پیداوار انسانی طبقات کی دیواروں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ جو لوگ مال و دولت،

حسب و نسب اور جغرافیائی اتفاقات کو وجہِ عزّ و شرف خیال کرتے تھے، ان کے خیال اور ان کی سمجھ کی کجی اور بے بنیادی کو عقلی و فکری دلائل سے پارہ پارہ کر دیا اور اعلان کیا:

یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونسآءً۔

"لوگو! تم اپنے اس پروردگار کے سامنے جواب دہی کے لئے تیار ہو جاؤ، جس نے تمہیں نفسِ واحد سے پیدا کیا اور پھر اس نفسِ واحد سے اس کی زوج اور پھر ان سے مردوں اور عورتوں کی کثیر آبادی کو (پوری انسانیت درحقیقت ایک اٹوٹ وحدت ہے)" (۴-۱)

اور فرمایا:

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکرٍ و انثی وجعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا۔

"اے بنی نوعِ انسان ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شعوب و قبائل میں اس لئے تقسیم کیا کہ تمہیں آپس کے میل جول میں آسانی ہو" (۲۶-۱۳)

توحید باری تعالیٰ اور مساواتِ انسانی کے دو عالم گیر اصولوں کی تبلیغ سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیا کے نظامِ معاشرت میں زبردست تہلکہ مچا دیا، اقوام و ملل کے معاشروں کی بنیاد اب اہلِ ثروت کے ایماء پر باطل معبودوں — بتوں، زندہ یا مُردہ انسانوں، محرف مذاہب، مال و دولت اور جاہ و حشمت کی پوجا کرنے کے بجائے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور بندگی پر رکھی۔ توحیدِ باری کے عقیدے نے معاشی غلاموں اور پس ماندہ انسانوں کو جرأت دلائی کہ وہ اپنی انسانی حیثیت کو سمجھیں، اپنے اعلیٰ و اشرف مقامِ انسانیت کا شعور حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ جیسی بے پناہ زبردست اور طاقت ور قوت پر ایمان لا کر دنیا میں ظلم و جور پر مبنی ہر باطل قوت کا مقابلہ کریں۔ توحید کے عقیدے نے مجبور و مقہور انسانوں میں ایسی جرأت و بے باکی پیدا کر دی کہ غلام اپنے آقاؤں کے ظلم و استبداد کا مقابلہ کرنے کی جرأت کرنے لگے اور وہ جھوٹے اور باطل عقائد اور فاسد اور فرسودہ رسوم و رواج اور بے جا مذہبی پابندیاں جنہوں نے ان بے چارے انسانوں کو اہلِ ثروت کی بھٹی کا ایندھن بنا رکھا تھا، ان کو توڑنے، ان کو تباہ و برباد کرنے اور ان کو نیست و نابود کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ سرور کائنات صلعم نے قرآنی ہدایت کے مطابق ویضع عنھم

اصرھم والاغلٰل الّتی کانت علیھم (۷ - ۱۵۷) (رسول اکرمؐ انسانوں پر لدے ہوئے (روایات و خرافات کے) بوجھ اُتارتے ہیں اور ان باطل و فرسودہ بندھنوں کو کاٹتے ہیں جن میں انسانی عقل و فہم اور جسم و دماغ جکڑے ہوئے تھے) اپنے ماننے والوں میں یہ رُوح پھونک دی کہ جہاں کہیں عقل و فکر پر پابندی، جسم دماغ پر قید اور سوچنے اور سمجھنے پر پہرہ لگانے والی قوت ہو اُسے تباہ کر دو، اور جو باطل و فرسودہ گروہ یا طبقہ خواہ وہ احبار و رھبان و مذہبی اجارہ داری کیوں نہ ہوں، ان کو نیست و نابود کر دو (ان کثیرۃ من الاحبار والرھبان لیاکلون الاموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ (۹ - ۳۴)

عقیدہ توحید پر مبنی ان قرآنی تعلیمات اور سنتِ رسولِ اکرمؐ کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ اگرچہ ایک قلیل تعداد میں اس پیغام کو لے کر اُٹھے تھے لیکن حق کی قوت اور توحید کی سرشاری اور سرمستی نے اس فئۃ قلیلہ (چھوٹی سی پارٹی) کو فئۃ کثیرۃ کے اوہام و باطل پر مبنی فرسودہ نظام پر غالب کر دیا۔ اور یہ باطل نظام جو معاشی استحصال اور اقتصادی بے انصافی پر قائم ہوا تھا دیکھتے ہی دیکھتے لرز اُٹھا اور اس کے ایوانوں میں ایک تہلکہ مچ گیا، اس کے آہنی حصار کی دیواریں ایک ایک کر کے بیٹھتی چلی گئیں اور اس نظام کو چلانے والے اور اس نظام کے لئے جواز کے فتوے دینے والے یا تو بخلوصِ نیت تائب ہو کر اہلِ حق و انصاف کی صف میں شامل ہوتے چلے گئے یا پھر اس معرکۂ حق و باطل میں ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ توحید وہ زبردست قوت اور وہ زبردست طاقت ہے جس کے سامنے شرک کی کوئی دیوار نہیں ٹھہرتی جس کی تاب نہ چونے اور چٹانوں کے قلعہ نما حصار لا سکتے ہیں، اور نہ جدید میزائل اور نکلیئر اسلحہ کی مورچہ بندیاں، دنیا میں معاشی عدل و انصاف پیدا کرنے والے اہلِ حق سے معاشی استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے بننے والے اہلِ ثروت و سرمایہ دار بچ کر نہیں جا سکتے "این ماتکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ۔ (۷۸:۴) (تم جہاں کہیں بھی ہو گے تباہی سے بچ نہیں سکتے۔ خواہ تم اپنی حفاظت کے لئے مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو)۔

بگاڑ چاہے سیاست میں ہو، معیشت میں ہو یا معاشرت و مذہب میں، اس کی اصلاح صرف ایک ہی قوت سے ہو سکتی ہے۔ اور وہ قوت ہے عقیدہ توحید، یہ وہ لامتناہی قوت ہے جو ہمیشہ انسان کو باطل قوتوں سے بھڑنے، ٹکرانے اور پاش پاش کرنے پر مسلسل اس وقت تک بے چین رکھتی ہے جب تک کہ باطل تباہ و برباد ہو کر حق و انصاف کے لئے میدان خالی نہ کر دے۔ اہلِ توحید کی تعریف میں حق تعالیٰ نے فرمایا: ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بانّ لھم الجنۃ، یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون (۹: ۱۱۱) (بے شک

اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں۔ اور قتل ہوتے ہیں)۔

نور توحید۔ چشمۂ عدل و انصاف کی لازوال قوت کے بارے میں۔ قرآن حکیم نے فرمایا۔ یرید ون ان یطفئوا نور اللہ با فواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہٗ ولو کرہ الکفرون۔ ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ ولوکرہ المشرکون۔ (۹: ۳۲-۳۳)

" چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنے مونہوں سے بجھادیں اور اللہ اپنی روشنی کو پورا کئے بغیر نہیں رہے گا اور اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں۔ اس نے اپنے رسول کو ھدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اگرچہ مشرک ناپسند کریں "

عقیدہ توحید اور انسانی مساوات کی تعلیمات نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وہ بے پایاں اور لامتناہی قوتِ جہاد عطا فرمائی کہ وہ ہر باطل قوت جو عدل و انصاف کی راہ میں حائل تھی، اُسے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے مسلسل جہاد میں لگ گئے۔ توحید باری تعالیٰ اور مساواتِ انسانی کی راہ میں جو رکاوٹ، جو مشکل اور مصیبت پیش آئی اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا، راہِ خدا میں مجاہدین کی یہ صف شکن مٹھی بھر جماعت "فئۃ قلیلۃ" بے انصافی و بے ایمانی کے ہر ٹیلے پر چڑھی، ظلم و استبداد کی ہر گھاٹی کو عبور کیا، مصائب و آلام کے ہر پہاڑ کو سر کیا۔ توحید اور مساوات کے راستے کی ہر مشکل و دشواری خواہ اُفقی تھی یا عمودی (VERTICAL OR HORIZENTAL) توحید و مساوات کے زبردست اور طاقت ور بل ڈوزر کی بے پناہ قوت کے سامنے بودی ثابت ہوئی اور اس کی ایک ہی ٹکر کے سامنے ریزہ ریزہ ہوگئی (وقتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ (۲: ۱۹۳) (مخالف قوتوں سے بھڑتے رہو حتیٰ کہ ان کی فتنہ و فساد پیدا کرنے والی قوت تباہ و برباد ہو جائے اور اس کی جگہ اللہ واحد کا نظام لے لے)۔ مخالف قوت اگر عقیدہ توحید میں مداخلت کر رہی تھی تو اُسے تباہ کر دیا اور اگر وہ مساواتِ انسانی کی راہ میں طبقاتی قوت کی حیثیت سے حائل تھی تو اُس کا قلع قمع کر دیا، اور نتیجۃً توحید و مساوات کے علمبردار مومنین جب آسمان کی طرف نگاہ اُٹھاتے تھے تو رب العالمین کے سوا انہیں کوئی معبود نظر نہیں آتا تھا اور اسی طرح جب وہ زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے کی طرف نگاہ دوڑاتے تھے تو انسانیت کو طبقات میں تقسیم کرنے والی قوتیں مٹی ہوئی نظر آتی تھیں اور ہر طرف مساواتِ انسانی کی حکمرانی کا تسلط دکھائی دیتا تھا۔

ظاہر ہے حق و صداقت اور عادلانہ معاشی نظام کے قیام کی راہ میں "ثلاثیت" کے اجزائے ترکیبی۔ اہلِ ثروت، اہلِ مذہب

اور اہلِ حکومت — ہی سب سے بڑی قوت کی حیثیت سے حائل تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اہلِ ثروت کے خلاف زبردست جہاد کی تبلیغ شروع کی، اور آخرت کی زجر و توبیخ کے ساتھ دنیا میں مال و دولت کے تکاثر اور ذخیرہ اندوزی پر بھرپور حملے کئے، فرمایا:۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ۔یوم یحمیٰ علیھا فی نارِ جہنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم، ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون (۹: ۳۴، ۳۵)۔ (اور جو لوگ سونا اور چاندی (مال و دولت و جائداد) جمع کرتے ہیں۔ اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے، جس دن وہ دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی، یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، اس لئے اس کا مزہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے)۔

پھر "اہلِ مذہب" جو دراصل "اہلِ ثروت" کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھے۔ اور جو حق و صداقت اور عدل و انصاف کے عملاً قیام کے بجائے سرمایہ داروں اور اہلِ ثروت کی لوٹ کھسوٹ اور معاشی استحصال کے لئے اللہ کی آیات سے باطل کے جواز کے فتوے دیا کرتے تھے۔ ویکتبون بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ۔ (جواز کا فتویٰ تو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں۔ لیکن انتہائی دیدہ دلیری اور جرأت کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ کی منشاء بھی یہی ہے)۔ قرآن نے یہ بھی بتایا کہ بزعم خود یہ جنت کے ٹھیکیدار بنتے ہیں، اور آیاتِ الٰہی سے اس کا ثبوت لاتے ہیں حالاں کہ وہ محض ان کے اپنے طمع و لالچ پر مبنی ڈھکوسلے ہوتے ہیں۔ وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھوداً او نصریٰ۔ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین (۲: ۱۱۱) اور کہتے ہیں کہ سوائے یہود یا نصاریٰ کے (یہ اس وقت کے "اہلِ مذہب" تھے) اور کوئی جنت میں ہرگز نہیں جائے گا۔ یہ محض ان کے ڈھکوسلے ہیں، آپ انھیں چیلنج کیجئے کہ اگر تمہارے پاس اپنے فتوؤں کے جواز کی کوئی الٰہی سند ہے تو اُسے پیش کرو (ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین)۔ اور ساتھ ہی واشگاف الفاظ میں بتا دیا کہ اپنی نفسانی خواہشات کے جواز میں ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔

"اہلِ مذہب" کی نفسیات پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن حکیم نے بتایا کہ "اہلِ مذہب" جب بطور ایک طبقہ کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اپنی نفسانی خواہشات، اور اپنی ذہنی اختراعات کو عین دین قرار دیتے ہیں۔ اور اہلِ حق و انصاف کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی کہ "اہلِ مذہب" کی ہٹ دھرمی اتنی سخت اور باطل پرستی اتنی شدید ہوتی ہے کہ وہ آخرالزماں نبیؐ کو بھی اپنی اتباع کرتے

دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اور جب تک رسولِ اکرمؐ بھی ان کی اتباع نہ کریں وہ اُن سے راضی نہ ہوں گے، ولن ترضٰی عنک الیھود ولا النصٰری حتٰی تتبع ملتھم (۲: ۱۲۰)۔ "اہلِ مذہب" کی حقیقت بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی یوں پول کھولی کہ مذہب کی آڑ میں یہ لوگ اپنی حیوانی جسمانی اور شہوانی خواہشات کی تکمیل چاہتے ہیں، اخلاقی طور پر یہ لوگ انسانیت کا بدترین طبقہ ہیں۔ اس لئے اپنی خواہشات کی تکمیل مذہب کی آڑ میں کرتے ہیں۔ انہیں اپنے مذہب، اپنے ملک، اپنی معاشرت وسیاست وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ وہ ان سب کو اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھا سکتے ہیں۔ اور اہلِ حق اور عوام الناس کی جان جوکھوں میں ڈال کر دشمنوں کے ہاں جاسوسی کرنے کے لئے جھوٹ بولنے سے بھی دریغ نہیں کرتے: سمّٰعون للکذب (۵: ۴۲) اور ان کے مذہبی لبادے اوڑھنا اور ان لبادوں میں چھپ کر دشمنوں کے لئے جاسوسی کرنا محض اس لئے ہوتا ہے کہ وہ حرام کے چند ٹکے کھا سکیں، اکّٰلون للسحت (۵: ۴۲)۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا "اہلِ مذہب" جب بطور طبقہ کے معرضِ وجود میں آتے ہیں تو اُن کا اپنا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ اہلِ ثروت وسرمایہ دار کے آلۂ کار کے طور پر کام کر کے ہی اپنا وجود قائم رکھ سکتے ہیں۔ اور چونکہ اہلِ ثروت کا اپنا وجود معاشی استحصال پر ہوتا ہے اس لئے ان کے آلۂ کاروں اور کٹھ پتلیوں کا وجود تو بدرجہ اولیٰ حرام پر قائم ہوتا ہے اس لئے قرآنِ حکیم نے انہیں "حرام خور طبقے" "اکّٰلون للسحت" سے تشبیہ دی۔

بطورِ زجر وتنبیہ قرآنِ حکیم نے ان کی رہبانیت واحباریت سے دھوکہ نہ کھانے کی ہدایت فرمائی اور اہلِ ایمان کو خطاب کر کے فرمایا، یا ایھا الذین اٰمنوا ان کثیراً من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللّٰہ، والذین یکنزون الذھب والفضۃ۔ (۹: ۳۴)

"اے ایمان والو! بہت سے عالم اور فقیر لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔"

اس آیت میں قرآنِ حکیم نے "اہلِ مذہب" کو اس وقت کی اصطلاح میں احبار اور رہبان کا نام دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ان اہلِ مذہب کے ناموں اور ظاہری شکل وصورت میں مبتلا ہو کر دھوکہ نہ کھانا یہ طبقہ دراصل عوام الناس کے مال ہڑپ کر جاتا ہے۔ اس آیت میں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے وہ یہ کہ "اہلِ مذہب" کا چونکہ اپنا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہوتا اور وہ اس کے لئے "اہلِ ثروت وسرمایہ دار" کے آلۂ کار ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے پاس جو (الذھب والفضۃ) مال ودولت ہے یہ کہاں سے آیا؟ صاف ظاہر ہے کہ سرمایہ دار کے

لوٹ کھسوٹ سے اسے بھی اتنا دیا گیا کہ وہ نوازا گیا اور سرمایہ دار کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنا۔

آخر میں ایک انتہائی جامع اور بلیغ نصیحت و ہدایت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے "اہلِ مذہب" کے طبقہ کو فرمایا کہ دیکھو، تم اللہ کی کتاب پڑھتے ہو، اور تم جانتے ہو کہ حق کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حق و انصاف کے لئے کیا ھدایات دے رکھی ہیں۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ محض نفسانی خواہشات کے لئے اللہ کی آیات کو اہلِ ثروت کے معاشی استحصال کے جواز میں پیش کرنے کے کیا نتائج ہوتے ہیں، اور کیا تم یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہو تاکہ تم چند ٹکے حاصل کر سکو۔ لہٰذا حق و انصاف کے قیام کی راہ میں حائل ہونے والوں میں سے تم پہل کرنے والے نہ بنو۔ (ولا تکونوا اوّل کافرٍ بہٖ ولا تشتروا بآیتی ثمناً قلیلاً وایای فاتقون۔ ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون (۲ : ۴۱، ۴۲)۔ (اور تم ہی سب سے پہلے حق و انصاف کے منکر نہ بنو، اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو، اور مجھ ہی سے ڈرو، اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ، اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ)۔

"تثلیث" کے تیسرے رکن "اہلِ حکومت" نے، "اہلِ مذہب" کے فتوؤں کی آڑ میں حق و انصاف کے انقلاب کا راستہ روکنے کی پوری کوشش کی۔ قرآن حکیم نے سابقہ اہلِ حکومت کی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا قصہ بیان فرمایا جو در اصل خود سرورِ کائناتؐ کے زمانے کے اہلِ حکومت کی ذہنیت کی سچی تصویر تھا۔ جب توحید باری تعالیٰ کے بیان و تبلیغ سے اہلِ مذہب کے جھوٹے اور مبنی بر باطل معبودوں پر چوٹ پڑی اور باطل و اوہام پر مبنی مذہب پر چوٹ کا مطلب در اصل اہلِ ثروت اور اہلِ مذہب دونوں کے ذریعۂ معاش کی تباہی کا پیغام تھا، اس لئے اہلِ مذہب نے فتویٰ دیا کہ توحیدِ الٰہی اور مساواتِ انسانی کا پرچار کرنے والے کی سزا موت ہے۔ اہلِ مذہب کے اس فتویٰ پر اہلِ حکومت فوراً حرکت میں آئے اور حکم دیا: قالوا حرقوہ وانصروا اٰلھتکم ان کنتم فٰعلین (۲۱ : ۶۸) (اس مبلغِ توحید و مساوات کو زندہ جلا دو، اور اپنے (فاسد نظام کے نمائندہ) معبودوں کی مدد کرو)۔ قرآن حکیم نے ایک دوسرا واقعہ بیان کیا ہے جس میں اہلِ حکومت نے، "اہلِ مذہب" وغیرہ سے فتویٰ طلب کیا کہ کیا وہ حق و انصاف کی دعوت قبول کر لیں: قالت یاایھا الملؤا افتونی فی امری ماکنت قاطعۃً امراً حتی تشھدون (۲۷ : ۳۲) (پوچھا! اے اہلِ فتویٰ مجھے اس بارے میں فتویٰ دو، کیونکہ تمہارے فتوے کے حصول کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا)۔ حق و انصاف کی دعوت کے مقابلے میں اہلِ فتویٰ کا اجماعاً یہ فتویٰ تھا،

نحن اُولوا قوۃٍ و اولوا باسٍ شدید (۲۷: ۳۳) (ہم تو بڑے طاقت ور اور زبردست ساز و سامانِ جنگ کے ساتھ جنگ جو ہیں ہمیں عدل و انصاف کی دعوت قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے) اس قصے کے بیان میں ایک بڑی حقیقت بیان کی گئی اور اہلِ حکومت کی نفسیات کا نہایت عمدہ تجزیہ کیا گیا، ارشاد ہے: اِن الملوکَ اذا دَخلُوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اَذِلّۃ (۲۷: ۳۴) (ظالم حکمران جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فتنہ و فساد بپا کر دیتے ہیں، وہاں کے معززین کو بے عزت کر دیتے ہیں) یعنی جو اہلِ حکومت، جمہور اور عوام الناس کی مرضی و منشا کے بغیر حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں، تو ان کے نزدیک عزت و ذلت کا معیار محض ان کے ساتھ اور ان کے مفادات کے ساتھ وفاداری کرنا قرار پاتا ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنے عمدہ اور اچھے کردار کی وجہ سے معزز ہوتے ہیں۔ ایسے اہلِ حکومت کے نزدیک ذلیل و خوار قرار پاتے ہیں۔ اس لئے کہ سیرت و کردار کے حاملین کی عزت سے ایسے اہلِ حکومت کو خود اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کا پردہ چاک ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ انہیں دباتے ہیں اور ذلیل کرتے ہیں ـــــــ

قرآن حکیم کی رہنمائی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے "اہلِ ثروت"، "اہلِ مذہب" اور "اہلِ حکومت" کے خلاف عقلی و علمی اور فہم و بصیرت پر مبنی ایسی زبردست تحریک چلائی کہ "اقانیم ثلاثہ" کے پاؤں اکھڑ گئے، عقلی و علمی طور پر وہ لاجواب ہو گئے اور فہم و ادراک سے عاری ہو کر شمشیر و سنان تھامے اہلِ حق و انصاف کے خلاف عملاً معرکہ آرا ہو گئے۔ چنانچہ مومنین صادقین جو دراصل امن و صلح کے پیامبر تھے، حق و انصاف کو کفر و شرک کی تلوار سے کٹتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کرنے کے لئے معرکۂ حق و باطل میں ڈٹ گئے۔ اور مومنین کی تلوار اس وقت تک نیام میں نہیں آئی جب تک اس وقت کی متمدن دنیا سے اس "تثلیث" کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ اس کامیاب انقلاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمودی سمت میں دیکھا جائے تو جزیرہ عرب، عراق، ایران، شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ اور اندلس کی فضائے بسیط میں کعبۃ اللہ کے فرش سے لے کر رب العزت کے عرش تک صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود نظر آتا تھا باقی تمام معبودانِ باطل صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے تھے۔ اور جب افقی (HORIZENTAL) طور پر نگاہ ڈالی جائے، تو مکہ کے دولت مند مغرور و متکبر خاندانوں سے لے کر عراق و ایران، شام و مصر اور افریقہ و جنوبی یورپ تک کے تمام ـــــ سرمایہ دار، جاگیردار اور شاہی درباری ـــــ باطل ارباب، جو

کروڑ ہا انسانوں پر اپنی پروردگاری کا سکہ چلاتے تھے تباہ ہو چکے تھے اور چین کی سرحدوں سے لے کر فرانس کی سرحدوں تک لاکھوں میل کے وسیع و عریض رقبے میں مساواتِ انسانی کا ایک عجیب و غریب نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا تھا ۔ لاکھوں میلوں پر پھیلے ہوئے کروڑ ہا انسانوں کے اس وسیع و عریض سمندر کی معاشی سطح برابر نظر آتی تھی ۔ اور اگر کہیں کوئی بلندی اور اونچائی تھی تو اس میں ہرگز سکون نہ تھا بلکہ وہ مسلسل متحرک تھی جو کسی ڈھلوان کی طرف رواں دواں تھی ۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس "تثلیث" کے خاتمے کے بعد ایک نیا معاشرتی و معاشی نظام معرضِ وجود میں لائے ، اس نظام کی بنیاد مال و دولت ، حسب و نسب اور جاہ و حشمت پر نہ تھی ، بلکہ اس نظام کا بنیادی پتھر سیرت و کردار کی بلندی اور صالحیت و تقویٰ پر مبنی انسانیت تھی ۔ قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں انسانوں کو سمجھا دیا تھا کہ پیدائشی طور پر تمام انسان برابر ہیں ۔ مال و دولت اور حسب و نسب محض اتفاقات ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ۔ کان الناس امۃ واحدۃ ، سب لوگ برابر ہیں اور ایک ہی وحدت کی مختلف کڑیاں ہیں ۔ پھر فرمایا لوگو اس رب العزت کی عبادت کرو جس کی تم سب مخلوق ہو اور جس نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ، پھر فرمایا کہ قبائل و شعوب میں پیدا ہونا فخر و مباہات اور وجہ شرف نہیں بلکہ اس کی حکمت یہ ہے کہ تمہیں انسانی معاملات کے چلانے میں اس سے آسانی ہو ، یہ بات سمجھانے کے بعد اس نئے نظام کی بنیاد کا ذکر کیا ، جس کی حیثیت اس نظام کے کونے کے پتھر کی تھی اور وہ ہے : ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (۴۹ : ۱۴) اے انسانو ! تم میں سب سے انتہائی معزز و محترم شخص اس الٰہی نظام میں وہ ہے جس کی سیرت و کردار کی بنیاد صالحیت و تقویٰ پر ہو ۔

قرآن حکیم کے اس اعلان کے بعد مکہ و مدینہ اور طائف کی بستیوں میں ایک زبردست انقلاب بپا ہو گیا ، وہ قوم جو معاشی استحصال کے ذریعے مال و جائداد کی اتنی دلدادہ تھی کہ جان لبوں پر ہے اور پاؤں قبر میں لٹک رہے ہیں ۔ لیکن مال و دولت کی یہ ہوس کہ اس حالت میں بھی تکاثرِ دولت اور افراطِ زر کی آگ نہیں بجھتی ۔ الھٰکم التکاثر ، حتیٰ زرتم المقابر (۱۰۲ : ۱ ، ۲) ، اب اس کی حالت یہ ہے کہ جو کچھ گھروں میں موجود ہے ، اُسے بیکاری اور معاشی غلامی دُور کرنے کے لئے خرچ کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگ جاتی ہے ۔ ایک شخص گھر کی پوری جائداد کو رسی رکھ کر دو برابر برابر حصوں میں بانٹتا ہے اور ایک حصہ اہل و عیال کے لئے چھوڑتا ہے اور دوسرا حصہ سرور کائنات کی خدمت میں پیش کرتا ہے ، اسی طرح دوسرا

شخص گھر کی پوری پونجی خدمتِ اقدس رسولؐ میں لا ڈالتا ہے۔ ایک وہ اہلِ حکومت کہ جو کروڑہا انسانوں کو معاشی غلام بنا کر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر بھی ڈاکے ڈالتے نہیں تھکتے تھے اور دوسرے یہ اہلِ حکومت کہ رات اس خوف سے سو نہیں سکتے تھے کہ شاید اللہ کا کوئی بندہ آج بھوکا نہ ہو، ایک وہ اہلِ حکومت جو انسانوں کو معاشی غلامی میں مبتلا کر کے ان کے خون پسینے کی کمائی خود اُن سے اٹھوا کر اپنے خزانے بھرتے تھے اور ایک یہ اہلِ حکومت جو خود اپنے کندھوں پر آٹے کی بوریاں اُٹھا کر بیواؤں کے گھر میں لے جاتے تھے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم میں مسابقت کرتے کرتے صحابہ کرام اس درجے پہ جا پہنچے تھے کہ اپنی جان، اپنے مال اور اپنی عزت و آبرو کے وہ خود مالک نہ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کا سودا اللہ تبارکؐ تعالیٰ سے اس شرط پر کر رکھا تھا کہ اللہ انہیں ان سب کے بدلے میں اپنی خوشنودی عطا کر دے۔ قرآن حکیم نے اس صورتِ حال کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے: ان اللہ اشترٰی من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم .... وذلک ھوالفوز العظیم (۹: ۱۱۱)

"بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کئے بھی جاتے ہیں۔ یہ توریت اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضروری ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے سو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہ بڑی کامیابی ہے۔"

لاکھوں درود اور کروڑوں سلام ہوں تم پر اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپؐ کی بدولت ایک قلیل مدت میں ایک عظیم انقلاب رونما ہو گیا، کہاں مکہ کے یہ تاجر کہ جو مال و دولت کے تکاثر کی خاطر سردیوں و گرمیوں میں (رحلۃ الشتاء والصیف) صحراؤں میں مارے مارے پھرتے تھے اور شام و یمن کے تاجروں کے ساتھ بیع و شراء کرتے تھے۔ اور کہاں یہ حالت کہ اب بیع و شراء کا معاملہ خداوندِ قدوس کے ساتھ کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ ایک وہ وقت کہ جمع و احتکار و تکاثر وظیفہ حیات، اور کہاں ایک یہ وقت کہ محض انفاق کے لئے مواقع کی تلاش ، مومنین صادقین میں یہ جذبہ پیدا کرنے میں قرآن حکیم کی آیات نے زبردست کام کیا، چنانچہ اسی آیت کو دیکھئے اس میں پیرایۂ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بطور خریدار و مشتری اپنے بندوں سے خریداری کا طلب گار بتایا گیا ہے۔ اور پھر خریداری بھی کس چیز کی ـــ جان و مال کی ـــ اور آیت میں ماضی کے صیغے نے بتایا کہ یہ محض تھیوری نہیں ہے بلکہ باقاعدہ عمل کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی ان سے بیع و شراء کا یہ معاہدہ کر لیا ہے۔ اور آیت کا آخری ٹکڑا اس پورے بیان کی جان و روح ہے اور وہ ہے کہ خدا

اور بندہ کے درمیان جان ومال کی خرید وفروخت کا معاہدہ الفوز العظیم بندے کے حق میں زبردست کامیابی ہے۔
غور کیجئے کہ جب مومن بننے کے لئے شرط یہ ہو کہ اس کی جان ومال اللہ پر ایمان لاتے ہی اس کی نہیں رہتی تو ظاہر ہے کہ بندہ ان دونوں کے خرچ کرنے میں کیوں دریغ کرے گا، قرآن حکیم کے اسی فلسفے اور اسی حکمت نے عرب اہلِ ثروت وسرمایہ داروں کو یہ ہمت عطا فرمائی کہ انھوں نے جان سے زیادہ عزیز مال کو دنیا سے فقر وفاقہ دُور کرنے میں صرف کر دیا اور مسلسل غربت وافلاس کے خلاف جہاد کرتے چلے گئے۔ اور اسی طرح اگر کوئی طاقت ان کے اس جہاد کی راہ میں حائل ہوئی تو انھوں نے جانوں سے جہاد شروع کر دیا۔ چنانچہ جب تک میدانِ کارزار جاری رہتا، وہ مسلسل پروانہ وار اپنی جانیں قربان کرتے رہتے حتیٰ کہ اہلِ باطل کو نیست ونابود کر دیتے، اور اس جہاد بالنفس کے وقت جان بچانا اللہ ورسولؐ اور خود ان کے اپنے نزدیک کفر کی طرف پلٹنے کے مترادف تھا۔ اسی طرح جب تک غربت وافلاس اور معاشی غلامی ختم نہ ہو گئی وہ مسلسل اپنے اموال خرچ رہتے اور فقر و احتیاج اور معاشی غلامی کی موجودگی میں مال ودولت اور جائداد کا بچا رکھنا ان کے نزدیک اسی طرح کفر تھا جس طرح میدانِ کارزار سے جان بچا کر بھاگ نکلنا۔
چنانچہ اسی اصول کے تحت فاروقِ اعظمؓ اپنی خلافت کے مختلف صوبوں سے آنے والے اموال کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگاتے تھے جب تک انھیں اس بات کا پختہ ثبوت نہ مل جاتا تھا کہ یہ اموال وہاں کے مقامی لوگوں کی ضروریات سے زائد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ذاتی جائداد کی اجازت یا عدم اجازت کی بحث محض اضافی ہے۔ کیونکہ فقر واحتیاج اور غربت وافلاس اور معاشی غلامی وغیرہ کی موجودگی میں ملک و قوم کے کسی فرد یا جماعت یا ادارے کی کوئی جائداد اس کی اپنی جائداد نہیں۔ جب تک اس ملک میں یہ لعنتیں موجود ہوں، اور جب تک فقر واحتیاج، غربت وافلاس اور معاشی غلامی کا مکمل طور پر انسداد اور قلع قمع نہ کر دیا جائے کسی شخص کو ایک کثیر جائداد پر سانپ بن کر بیٹھنے کا حق نہیں ہوگا۔ عہدِ رسالت مآب میں اس اصول پر عمل اخلاقی طور پر ہوتا تھا۔ اور مومنین "ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم" پر بالفعل ایمان رکھتے تھے۔ چنانچہ سرورِ کائنات صلعم کو انسانی فلاح وبہبود کے لئے جب اور جس سے ضرورت پڑتی اسی وقت اس سے جتنا چاہتے حاصل کر لیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جان اور مال کے امین تھے۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کا جب موقع آتا خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ لیکن چونکہ رسولِ اکرمؐ نے جس اندازِ نبوت سے صحابہ کرامؓ کی اخلاقی تربیت کی تھی، اس سٹینڈرڈ اور معیار پر بعد میں آنے والوں کی تربیت ممکن نہ تھی اس لئے اخلاق کے ساتھ قانون کی تعلیم بھی

دی۔ اور ہدایت کی کہ جب اخلاق کام نہ دے تو قانون اس کی جگہ لے لے۔ یہی وجہ ہے کہ سرورِ کائنات صلعم کی وفات کے بعد جب بعض عربوں نے اخلاق کا دامن چھوڑا تو جناب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل فوراً قانون کو حرکت میں لائے اور جو لوگ اخلاق کی زبان نہ سمجھتے تھے وہ قانون کی زبان سمجھنے لگے۔

اس لئے ذاتی جائداد کا مسئلہ قرآنی نقطۂ نظر سے یہ ہوا کہ جب تک ملک و معاشرے میں فقر و احتیاج و معاشی غلامی موجود ہو، ملک کی تمام جائداد بیکاروں، محتاجوں اور معاشی غلاموں کی جائداد تصور کی جائے گی حتیٰ کہ ان کی بے کاری، فقر و احتیاج اور معاشی غلامی دُور ہو جائے۔ "فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم"۔ اگر ملک و معاشرے کے اہلِ ثروت اس اصول پر اخلاقی طور پر عمل کریں جس طرح کہ عہدِ رسالت مآب میں اس پہ عمل ہوتا تھا تو بہتر ورنہ حکومت اس پر قانون کے ذریعے عمل کروائے گی جس طرح کہ رسول اکرم صلعم کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین کے عہد میں اس پر عمل ہوا۔ اور فقہاء و متقدمین اور متاخرین اس کے قائل رہے ہیں۔ لیکن یہ بات انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ فقر و احتیاج اور غربت و افلاس تو کروڑ ہا انسانوں کو گھن کی طرح کھا رہا ہو، لیکن "اہلِ فتویٰ" مسلسل یہ فتویٰ دیتے چلے جا رہے ہوں کہ اسلام میں لامحدود ذاتی جائداد کی اجازت ہے۔ ذاتی جائداد کے رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ تو اس وقت ہوتا ہے جب کہ ملک میں بیکار، محتاج اور معاشی غلام کوئی نہ ہو، لیکن جب ملک میں ایک ایسا نظام رائج ہو جو مسلسل معکوس شکل میں امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنا رہا ہو تو ایسی صورت میں سرمایہ داری کے حق میں فتوے دینا اہلِ حق کو زیب نہیں دیتا، اور ایسے معاشرے میں وسیع پیمانے پر ذاتی جائداد کا جواز پیدا کرتے جانے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا کہ اہلِ ثروت کے مزید جمع و احتکار و اکتنازِ دولت کے لئے راہ ہموار کی جائے۔

چنانچہ یہ تھے وہ حالات اور یہ تھا وہ پسِ منظر جس کے تحت معاشی غلامی سمٹ کر صرف غلاموں، مکاتبوں اور اسیروں تک محدود ہو گئی تھی۔ اسلام کے نزدیک چونکہ ہر قسم کی غلامی ایک لعنت ہے اور انسانیت کے محترم و مکرم نام پر ایک بدنما دھبہ اور تکمیلِ انسانیت اور تکمیلِ ایمان کے راستے میں حائل ہے۔ اس لئے اسلام نے ہر قسم کی غلامی کے خلاف زبردست مہم چلائی اور واضح طور پر اعلان کیا کہ کسی انسان کو حتیٰ کہ وہ انسان نبی ہی کیوں نہ ہو، یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنی غلامی اور بندگی پر مجبور کرے۔ یہ حق صرف خدائے وحدہٗ لاشریک اور خالقِ کائنات کا ہے کہ مخلوق اس کی غلامی اور بندگی میں آئے۔ ما کان لبشرٍ ان یؤتیہُ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لّی من دون اللہ ولٰکن کونوا ربانیین (۳ : ۷۹) (کسی انسان کے لئے یہ مناسب

نہیں کہ جب اللہ اُسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے تو وہ لوگوں کو اپنی غلامی اختیار کرنے کے لئے کہے، جو کہ اللہ کا حق ہے، بلکہ اسے کہنا یہ چاہیئے کہ لوگ اللہ کی غلامی اور بندگی اختیار کریں)۔ اس آیت نے اشرف المخلوقات انسانوں میں سے افضل و برتر انسان، نبیؐ کو یہ تنبیہہ کی ہے کہ وہ انسانوں کو ہر قسم کی غلامی ۔ سیاسی، معاشی وغیرہ ۔ میں لینے سے باز رہے۔ اور واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ جب کوئی فرد یا جماعت یا طبقہ دوسرے انسانوں کو معاشی یا سیاسی غلامی میں لے لیتا ہے، تو گویا فرد یا جماعت یا طبقہ دراصل خالقِ کائنات کی جگہ لے کر خدائی کا دعویدار بن جاتا ہے۔ اور قرآن کے نزدیک یہ شرک ہے۔ اور شرک وہ جرم ہے جسے اللہ کبھی معاف نہیں کریگا۔ اس لئے کہ جب کوئی اہلِ ثروت و سرمایہ دار اللہ کے آزاد انسانوں کو اپنی معاشی غلامی میں لیتا ہے تو گویا وہ خدا کی حاکمیت اور رازقیت میں دخل اندازی کرتا ہے۔ اور جو فرد یا جماعت خدائی حاکمیت و رازقیت میں مداخلت کرتا ہے دراصل وہ اللہ تعالیٰ کا شریک بنتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر جرم کو معاف کر سکتا ہے لیکن وہ یہ جرم ہرگز معاف نہیں کرے گا کہ انسان انسان کو غلام بنائے۔

چنانچہ توحید و مساوات کے ذریعے کروڑ ہا معاشی غلاموں کو چند ہی سال کے اندر ایک آزاد، باعمل اور متحرک قوم کے باہمت، جرأت مند اور عقل و فکر رکھنے والے زبردست افراد کی شکل دے دی گئی، ایک محدود طبقے کی غلامی جو اگرچہ اس وقت کے سیاسی و معاشی حالات کے تحت ناگزیر تھی، اور اس وقت کی کوئی قوم اس لعنت سے پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہوسکتی تھی۔ اسلام کو ناپسند تھی چنانچہ اسلام نے معاشی حالات کو نئے سانچے میں ڈھال کر ان بدقسمت انسانوں کی آزادی کے لئے بھی زبردست مہم شروع کی۔ اسلام نے اس سلسلے میں تین قسم کے اقدامات کیئے۔

(۱) مسلمانوں میں خدائی تعلیمات اور اسوۂ رسولؐ کے ذریعے یہ روح پھونکی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں۔ اس لئے خدا کی رضا اور منشا یہی ہے کہ اس کے تمام بندے آزاد ہوں، اور چونکہ مسلمان باقی انسانوں کی نسبت خدائی منشاء کے زیادہ سے زیادہ پورا کرنے والے ہیں، اس لئے ان کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ غلاموں، مکاتبوں اور اسیروں کی آزادی میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ قرآن حکیم کی اس روح کے تحت نیک دل مسلمانوں میں یہ جذبہ عام طور پہ کارفرما ہوگیا کہ معاشی و سیاسی حالات کے تحت جو انسان اُن کی غلامی میں آتا وہ اُسے آزاد کر دیتے۔ چنانچہ صدر اسلام میں ایسے بے شمار افراد کے نام ملتے ہیں جو آزاد کردہ تھے۔ اور ان آزاد شدہ انسانوں نے علم و فلسفہ، تاریخ و حدیث اور فقہ و تفسیر میں بڑا نام پیدا کیا۔

(۲) اسلام نے بہت سے نیم قانونی اور رضاکارانہ ذرائع اختیار کئے جو غلاموں کی آزادی کے لئے بڑے کامیاب اور مؤثر ثابت ہوئے، ان میں مختلف قسم کے تاوان، کئی گناہوں کی توبہ اور بعض حدود اللہ سے تجاوز کے کفارات شامل ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل صورتوں میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے:-

مومن کے قتل خطا پر - (۴: ۹۲)

دشمن قوم کے مومن کے قتل پر۔ (۴: ۹۲)

معاھد قوم کے مومن کو قتل کرنے پر - (۴: ۹۲)

قسم توڑنے پر۔ (۵: ۸۹)

ظہار کرنے پر۔ (۵۸: ۳)

قرآن حکیم کے نزدیک نیکی کا معیار عبادت کے لئے مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنا نہیں بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ غلام ومجبور انسانوں کو آزادی دلائی جائے۔ (۲: ۱۷۷) پھر ایک اور پیرایۂ بیان میں فرمایا کہ انسان کے لئے سب سے مشکل کام یہ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنی غلامی میں لے کر انہیں دوبارہ آزاد کرے (۹۰: ۱۳) حالانکہ اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے معاشی غلاموں کو ان کا پیدائشی حق۔ آزادی۔ دلانا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

چنانچہ ان احکام کے بجالانے پر غلاموں کی کثیر تعداد آزاد ہوگئی اور آئندہ کے لئے ایسی صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے یہ ذریعہ نہایت مؤثر، مفید اور کارآمد ثابت ہوا۔

(۳) غلام، مکاتب اور اسیر کی آزادی کے لئے اسلام نے تیسرا سب سے بڑا قدم یہ اُٹھایا کہ اس طبقے کی آزادی کے لئے اسلام کے سب سے بڑے دو رکن — صلوٰۃ اور زکوٰۃ — میں سے زکوٰۃ کا ایک بڑا حصہ اسی کام کے لئے وقف کر دیا۔ اور اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد کیا کہ وہ مالِ زکوٰۃ میں سے غلاموں کی آزادی پر اتنا حصہ صرف کرے کہ غلامی کے پھندے میں پھنسے ہوئے انسان آزاد ہو جائیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں جس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی ہر مسلمان پر "فریضۃ من اللہ" اللہ کی طرف سے فرضِ عین ہے۔ اسی طرح حکومت پر بھی "فریضۃ من اللہ" کے تحت یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ معاشی وسیاسی ہر قسم کی غلامی کے انسداد اور اس میں پھنسی ہوئی گردنوں کی آزادی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ چنانچہ "وفی الرقاب" غلاموں کو آزاد کروانا اسلامی حکومت پر بطورِ فرض عائد کر دیا گیا۔ اب اس حکم کی موجودگی میں پہلی دونوں صورتیں اگر سست پڑ بھی

جائیں تو خدا کا مقرر کیا ہوا یہ قانون قیامت تک بطور فریضہ مسلمان حکومت پر عائد رہے گا کہ وہ غلاموں کی آزادی کے لئے مسلسل کوشاں رہے۔

چنانچہ عقیدہ توحید اور نظریۂ انسانی مساوات اور مندرجہ بالا تمین اقدامات کے ذریعے اسلام نے غلامی کی صدیوں پرانی لعنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے اثر اور معطل کر کے رکھ دیا، اور صدیوں پرانے رواج اور سینکڑوں سال کی قدیم رسم کو بالکل بے جان اور مضمحل کر دیا ـــــ محولہ بالا بحث سے مندرجہ ذیل نتائج مستنبط ہوئے :۔

۱ ـــــ اسلامی معاشی نظام کی بنیاد دو بنیادی اصولوں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور انسانی مساوات۔ پر ہے۔

۲ ـــــ اسلامی معاشی نظام، عام مادی معاشی نظام سے اس حیثیت سے فوقیت رکھتا ہے کہ اس میں انسانی مساوات کا نظریہ جو مادی معاشی نظام کا رکنِ اعظم ہے۔ بدرجہ اتم موجود ہے۔ لیکن اوّل الذکر، مؤخرالذکر سے اس اعتبار سے اعلیٰ ہے کہ اس میں اللہ تعالےٰ کی توحید کا اضافہ ہے۔ مادی معاشی نظام میں نظریۂ توحید کے فقدان کی وجہ سے کئی دوسرے خدا اس کی جگہ پا جاتے ہیں، جو نتیجۃً اس فساد کے موجب بنتے ہیں جن کی تباہی و ہلاکت کے لئے یہ نظام معرضِ وجود میں آتا ہے۔

۳ ـــــ توحیدِ الٰہی اور مساواتِ انسانی ان جامع، ہمہ گیر اور لازوال اُصولوں پر مبنی ہیں۔ جو مسلسل اصلاح و فلاح کی طرف رہنما اصولوں کی حیثیت سے انسانیت کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ اور جن کی موجودگی سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور سب انسان ایک ہی خالق کی مخلوق تصوّر کر کے برادرانہ فضا پیدا کرتے ہیں اور اس بھائی چارے کے ماحول میں ان کی عقلی و فکری اور ذہنی و اصلاحی قوتیں بیدار ہوتی ہیں جو انسانی فلاح و بہبود میں کام آتی ہیں۔

۴ ـــــ اسلامی معاشی نظام اور مادی معاشی نظام میں بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ توحیدِ الٰہی اور مساواتِ انسانی پر مبنی معاشرے کے افراد میں یہ جذبہ اندر سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مساوی طور پر رہیں۔ انہیں اپنے برابر سمجھیں اس لئے کہ وہ سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہونے کی وجہ سے برابر برابر ہیں۔ اس لئے اہلِ ثروت و سرمایہ دار مفلس و محتاج کو اپنے مال میں بخوشی حصہ دار خیال کرتے ہیں۔ اور تقسیمِ دولت کا جذبہ ان کے اندر سے اُٹھتا ہے جبکہ مادی معاشی نظام میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ تقسیمِ دولت کے اندھے قانون کے ذریعے ان کی دولت چھین کر مستحقین میں تقسیم کی جاتی ہے۔ لہٰذا جو فرق تقسیمِ دولت کے فطری جذبے اور تقسیمِ دولت کے خارجی قانون میں ہے۔ وہی فرق اسلامی و مادی معاشی نظام میں ہے۔

چنانچہ توحیدِ الٰہی اور مساواتِ انسانی اور دوسرے معاشی اقدامات کے ذریعے اسلام نے ہمہ گیر معاشی غلامی کی کمر توڑ دی اور جہاں کہیں معاشی غلامی اپنے آخری ٹھکانوں میں سسک رہی تھی اس کے مکمل انسداد کے لئے "وفی الرقاب" کا جامع و مؤثر پروگرام مرتب کیا۔

△▲△